بسم اللہ الرحمن الرحیم

لُبَابُ الْفَتَاویٰ

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

کیا ایک گھرانے کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کافی ہے؟

سوال: قربانی میں اگر ایک بکری ایک کنبے کی جانب سے دی جائے، تو کیا اس کی اجازت ہے؟ کیوں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک بکری ایک خاندان کی جانب سے کافی ہے اور احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ کیا احادیث سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ براہِ کرم مدلل و مفصل جواب دیں؟ (نواز محمد)

الجواب:

قربانی کا درجہ اور ائمہ کا اختلاف

اولاً یہ سمجھ لیں کہ قربانی کا حکم کیا ہے؟ اس سلسلے میں ائمہ میں اختلاف ہے: امام ربیعۃ الرائےؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام لیث بن سعدؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ قربانی واجب ہے۔

امام احمدؒ کی ایک روایت سنیت کی ہے اور دوسری وجوب کی اور امام احمد کا قول ہے کہ استطاعت کے باوجود اس کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ (المغني: كتاب الأضاحي: ۱۳/۳۶۰؛ فتح الباري: كتاب الأضاحي، باب سنة الأضحية: ۱۰/۳)

اس سلسلے میں دوسرا قول اکثر علماء کا یہ ہے کہ قربانی سنتِ مؤکدہ ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ قربانی ایک ایسی سنت ہے کہ جس کا ترک اس کے حق میں پسندیدہ نہیں، جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

علامہ نوویؒ اور علامہ ابن قدامہؒ نے اس مسلک کو صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ابومسعود بدریؓ کا بتایا ہے اور یہی قول امام سوید بن غفلہؒ، امام سعید بن المسیبؒ، حضرت علقمہؒ، حضرت اسودؒ، امام عطاء بن ابی رباحؒ، امام شافعیؒ، امام ابوثورؒ اور امام ابن المنذرؒ کا قرار دیا ہے۔

(المجموع شرح المهذب: كتاب الحج باب الأضحية: ۸/۳۸۵؛ المغني: كتاب الأضاحي: ۱۳/۳۶۰)

امام مالکؒ سے ایک قول سنیت کا منقول ہے، جس کو امام نوویؒ نے یہاں نقل کیا ہے۔ دوسرا قول وجوب کا ہے، جس کو ابن قدامہؒ نے یہاں ذکر کیا ہے۔ اور امام مالکؒ کے مذہب کی کتابوں میں بھی دونوں قول نقل کیے گئے ہیں۔

(دیکھو: مواهب الجليل: باب في الأضحية: ۲۳۸/۳؛ بداية المجتهد: كتاب الضحايا، الباب الأول في حكم الضحايا: ۱۹۱/۲)

قربانی کے حکم میں اختلاف کی وجہ

اور اس اختلاف کی وجہ دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے جو قربانی کی تھی، وہ چوں کہ ہمیشہ اور پابندی کے ساتھ کی تھی اور کبھی ناغہ نہیں کیا تھا، تو آپ کا یہ فعل وجوب پر محمول ہوگا یا محض آپ کا عمل ہونے کی وجہ سے سنیت پر محمول ہوگا؟ بعض نے یہ سمجھا کہ یہ آپ کا ایک فعل ہے، جس سے سنیت معلوم ہوتی ہے، نہ کہ وجوب، لہٰذا قربانی سنت ہے۔ اور دوسرے حضرات نے یہ سمجھا کہ چوں کہ آپ نے بلا ترک ہمیشہ اس پر عمل کیا ہے اس لیے یہ واجب ہوگا۔

دوسری وجہ یہ کہ جو احادیث اس سلسلے میں امر و حکم کے الفاظ سے وارد ہوئی ہیں، ان کا منشأ کیا؟ آیا وجوب یا سنیت؟ اس میں بھی فقہائے کرام نے اختلاف کیا ہے۔

قربانی کے وجوب کے دلائل

بعض نے ان احادیث سے سمجھا کہ یہ حکم وجوب کے طور پر دیا گیا ہے، جیسے ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

”من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا.“

(جس شخص کے پاس وسعت ہو اور پھر بھی وہ قربانی نہ کرے، وہ ہمارے عیدگاہ کو نہ آئے۔)

(أخرجه ابن ماجه: كتاب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا؟ ر: ۳۱۲۳؛ وأحمد: مسند أبي هريرة رضي الله عنه، ر: ۸۲۷۳؛ وابن أبي شيبة، وإسحاق بن راهويه، وأبو يعلى الموصلي، والدارقطني والحاكم وصححه، كذا في إعلاء السنن: ۲۱۲/۱۷؛ وقال ابن حجر في فتح الباري: ”أخرجه ابن ماجه وأحمد ورجاله ثقات.“: كتاب الأضاحي، باب سنة الأضحية: ۳/۱۰)

اس حدیث کے موقوف و مرفوع ہونے میں راویوں نے اختلاف کیا ہے اور بعض حضرات محدثین نے اس کے موقوف علی ابی ہریرہ ہونے کو اصح قرار دیا ہے؛ مگر جس طرح موقوف ہونے کی روایت متعدد حضرات سے آئی ہے، اسی طرح مرفوع ہونے کی روایت بھی متعدد حضرات نے بیان کی ہے، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یہ روایت دونوں طرح ثابت ہے، اس لیے مرفوع ہونے میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔ اور اصول بھی یہی ہے کہ اگر راوی ثقہ ہو، تو اس کا کسی روایت کو مرفوعاً بیان کرنا از قبیل زیادتی ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوا کرتی ہے۔

(إعلاء السنن: ۲۱۲/۱۷-۲۱۴)

اس حدیث میں وسعت و گنجائش ہونے کے باوجود قربانی نہ کرنے پر عیدگاہ سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے، جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قربانی واجب ہو، اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو اس کے ترک پر اس قدر سختی نہ کی جاتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی صاحب وسعت پر واجب ہے۔

نیز وجوب کی ایک دلیل وہ حدیث بھی ہے جو ''بخاری'' وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''من ذبح قبل الصلاة فليعد.''

(جس نے نمازِ عید سے قبل قربانی کی، اس کو چاہیے کہ وہ اس کو لوٹائے۔)

(أخرجه البخاري: كتاب العيدين، باب الأكل يوم النحر، ر: ٩٥٤؛ أحمد: مسند أنس بن مالك، ر: ١٢١٧١؛ مسلم: كتاب الأضاحي، باب وقتها، ر: ١٩٦٠؛ السنن الكبرىٰ للنسائي: كتاب الضحايا، ذبح الناس بالمصلىٰ، ر: ٤٤٤٢؛ السنن الصغرىٰ للنسائي: كتاب الضحايا، ذبح الناس بالمصلىٰ، ر: ٤٣٦٨)

ظاہر ہے کہ قبل الصلاۃ قربانی کرنے والوں کو یہ حکم دینا کہ وہ دوبارہ قربانی کریں، وجوب کی صریح دلیل ہے، اگر یہ واجب نہ ہوتی تو اس حکم دینے کا کوئی مطلب نہ ہوتا۔

امام عینیؒ نے اسی حدیث سے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مستنبط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''وفيه حجة لأبي حنيفة على وجوب الأضحية؛ لأنه ﷺ أمر بإعادة أضحية من ذبحها قبل الصلاة، ولو لم تكن واجبة لما أمر بإعادتها عند وقوعها في غير محلها.''

(عمدة القاري: كتاب العيدين، باب الأكل يوم النحر: ٢٧٧/٦)

اور امام ابوعمر بن عبدالبر مالکیؒ اسی حدیث پر لکھتے ہیں کہ

''حجة من ذهب إلى إيجابها أمر رسول الله ﷺ أبا بردة بن نيار بأن يعيد ضحيته إذ ذبحها قبل الصلاة.''

(الاستذكار: كتاب الضحايا، باب النهي عن ذبح الضحية قبل انصراف الإمام: ٢٢٨/٥)

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث کے پیشِ نظر قائلینِ وجوب نے وجوب کا قول اختیار کیا ہے۔

قائلینِ عدمِ وجوب کے دلائل

اور جو حضرات عدمِ وجوب اور محض سنیت کے قائل ہیں، انھوں نے حضرت ام سلمہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''إذا دخلت العشر وأراد أحدكم أن يضحي، فلا يمس من شعره وبشره شيئاً.''

(جب عشرۂ ذی الحجہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ رکھے، تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے بال اور ناخن میں سے کچھ نہ کاٹے۔)

(رواه مسلم: كتاب الأضاحي، باب نهي من دخل عليه العشر وهو مريد التضحية، ر: ١٩٧٧)

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قربانی کو آدمی کے ارادے پر معلق کیا ہے، اگر یہ واجب ہوتی تو کسی کے ارادے پر کیوں معلق کی جاتی۔

(فتح الباري: كتاب الأضاحي، باب قول النبي ﷺ لأبي بردة: ١٨/١٠)

الغرض اس میں حضرات فقہائے کرام کے مدارک اجتہاد نے کام کیا اور اپنی اپنی رائے احادیث کی بنیاد پر قائم کی ہے۔

قربانی کو سنت ماننے والوں میں سنت عین یا سنت کفایہ کے بارے میں اختلاف

پھر جو حضرات اس کی سنیت کے قائل ہیں، ان میں اختلاف ہے کہ یہ سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے یا سنتِ عین ہے۔ اگر اس کو سنتِ عین قرار دیں، تو یہ ہر شخص پر سنت ہوگی اور اگر سنتِ کفایہ قرار دی جائے، تو گھر کا ایک فرد بھی ادا کردے گا تو سب گھر والوں کی جانب سے ادا ہو جائے گا۔

امام مالکؒ کے بعض اقوال سے، اسی طرح امام احمدؒ کے بعض اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت عین ہے۔ اور ان حضرات کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنتِ کفایہ ہے۔

''منار السبیل'' میں اور ''فتح الباری'' میں ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ

''وهي سنة موكدة ..... لكن يكره تركها مع القدرة.''

(منار السبيل: كتاب الحج، باب الأضحية: ۱/ ۲۷۱؛ فتح الباري: كتاب الأضاحي، باب سنة الأضحية: ۱۰/ ۳)

علامہ موفق الدین بن قدامہ الحنبلی نے ''المغنی'' میں اور علامہ عبدالرحمٰن بن قدامہ المقدسی نے ''الشرح الکبیر'' میں لکھا ہے کہ

''ولا بأس أن يذبح الرجل عن أهل بيته شاةً واحدةً أو بدنةً أو بقرةً يضحي بها. نص عليه أحمد، وبه قال مالك والليث والأوزاعي وإسحاق. وروي ذلك عن ابن عمر وأبي هريرة.''

(المغني: كتاب الأضاحي: ۱۳/ ۳۶۵؛ الشرح الكبير: كتاب المناسك، باب الهدي والأضاحي: ۳/ ۵۴۰-۵۴۱)

فقہ حنبلی کی کتاب ''الانصاف'' میں امام المرداویؒ نے امام احمدؒ کے مسلک میں دو روایات ذکر کی ہیں: ایک یہ کہ ایک بکری سارے گھر والوں کی جانب سے کافی ہے اور اس کو مذہب اور اکثر اصحاب کا مسلک قرار دیا ہے۔ اور دوسری یہ کہ ایک بکری ایک ہی کی جانب سے ہوگی اور سب کی جانب سے کافی نہ ہوگی۔ اور ''الرعایۃ الکبری'' میں اسی کو مقدم کیا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ یہ کافی ہونا ایک قول میں ثواب کے لحاظ سے ہے نہ کہ سب کی جانب سے کافی ہونے میں۔

(الإنصاف للمرداوي: كتاب المناسك، باب الهدي والأضاحي: ۴/ ۷۵)

اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے، جیسا کہ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ ''قال أصحابنا: التضحية سنة على الكفاية في حق البيت الواحد، فإذا ضحى أحدهم حصل سنة التضحية في حقهم.''

(المجموع: كتاب الحج، باب الأضحية: ۸/ ۳۸۴)

امام مالکؒ کی ایک روایت تو وہی ہے کہ یہ سنت کفایہ ہے، جیسا کہ اوپر ابن قدامہؒ وغیرہ کے حوالے سے گزرا۔ اور ان کی دوسری روایت اور ان کا مسلک مشہور یہ ہے کہ یہ سنت عین ہے، اس کے مذہب کی مشہور کتاب ''کفایۃ الطالب الربانی'' میں ہے کہ

”وحكمها أنها سنة واجبة أي موكدة على المشهور على من استطاعها إذا كان حراً مسلماً كبيراً كان صغيراً، ذكراً كان أو أنثىٰ، مقيماً كان أو مسافراً غير حاج بمنى عن نفسه وعمن تلزمه نفقته من أقاربه كالوالد والأولاد الفقراء.“

(كفاية الطالب الرباني مع حاشية العدوي:باب في الضحايا: ۱/۵۶۶-۵۶۷)

اسی طرح ”شرح مختصر الخلیل للخرشی“ میں ہے کہ

”سن لحر، يعني أن المشهور أن حكم الأضحية السنية ؛ لقوله عليه السلام: أمرت بالأضحية فهي لكم سنة، فتسن في حق الحر صغيراً او كبيراً، ذكراً أو أنثىٰ، مقيماً أو مسافراً.“

(شرح مختصر الخليل للخرشي: باب حكم الأضحية والمخاطب بها وما هي منه وما يجزي فيها: ۳/۳۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک قربانی ہر آزاد شخص پر جو صاحب استطاعت ہو سنتِ مؤکدہ ہے، خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت اور مقیم ہو یا مسافر، سوائے اس کے جو منی میں حج کے لیے گیا ہو۔

الغرض قربانی کے سلسلے میں اولاً اسی میں اختلاف ہے کہ سنت ہے یا واجب۔ اور امام اعظمؒ اور بہت سے علماء وائمہ کے نزدیک یہ واجب ہے اور ہر اس شخص پر واجب ہے، جو صاحب استطاعت ہو۔ اور پھر جو حضرات اس کی سنیت کے قائل ہیں، ان میں یہ اختلاف ہے کہ یہ سنتِ کفایہ ہے یا سنتِ عین؟

قربانی کے واجب یا سنت علی العین ہونے کی دلیل

امام ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ وغیرہ جو یہ کہتے ہیں کہ قربانی ہر صاحبِ حیثیت واستطاعت پر واجب ہے۔ اور اس کی ایک دلیل تو وہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہمارے عیدگاہ کو نہ آئے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں اونٹ اور گائے سات آدمیوں کی جانب سے قربانی کی۔

(مسلم: كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدي، ر: ۱۳۱۸ ؛ مسند أحمد: مسند جابر بن عبد الله رضي الله عنه، ر: ۱۴۱۲۷ ؛ الترمذي: أبواب الأضاحي عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الاشتراك في الأضحية، ر: ۱۵۰۲ ؛ أبو داود: كتاب الضحايا، باب في البقر والجزور عن كم تجزئ، ر: ۲۸۰۹ ؛ ابن ماجه: كتاب الأضاحي، باب عن كم تجزئ البدنة والبقرة، ر: ۳۱۳۲)

ایک روایت میں حضرت جابر یوں فرماتے ہیں کہ

”فأمرنا رسول الله ﷺ أن نشترك في الإبل والبقر، كل سبعة منا في بدنة.“

(اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں شرکت کرلیں، ہم میں سے ہر سات افراد ایک جانور میں۔)

(مسلم: كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدي، ر: ۱۳۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ

”قال النبي ﷺ: البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة.“

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گائے سات افراد کی جانب سے (قربانی میں ادا ہوسکتی) ہے، اور اونٹ سات افراد کی جانب سے (ادا ہوسکتا) ہے۔)

(أبو داود: كتاب الضحايا، باب في البقر والجزور عن كم تجزئ، ر: ٢٨٠٨)

ایک حدیث میں اونٹ کو دس کی جانب سے قرار دیا گیا ہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ

”كنا مع النبي ﷺ في سفر، فحضر الأضحى، فاشتركنا في الجزور عن عشرة والبقرة عن سبعة.“

(ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ قربانی کے ایام آ گئے، تو اونٹ میں ہم دس افراد شریک ہو گئے، اور گائے میں سات افراد۔)

(ابن ماجه: كتاب الأضاحي، باب عن كم تجزئ البدنة والبقرة، ر: ٣١٣١)

انھی احادیث کی وجہ سے یہاں بعض علماء نے اونٹ میں دس کی شرکت کو اور گائے وغیرہ بڑے جانور میں سات کی شرکت کو جائز قرار دیا ہے اور اکثر نے اونٹ اور دوسرے تمام بڑے جانوروں کی قربانی میں سات کی شرکت کو روا رکھا ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب اونٹ اور دوسرے بڑے جانوروں میں صرف سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، تو ایک بکری میں جو کہ چھوٹا جانور ہے، گھرانے کا گھرانا خواہ کتنے بھی افراد ہوں، کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ ایک بکری میں ایک ہی کی جانب سے ہو سکتی ہے۔

قربانی کے سنت علی الکفایہ ہونے کی دلیل

اور دوسرے حضراتِ ائمہ جو قربانی کے سنت علی الکفایہ ہونے کے قائل ہیں، ان کی دلیل وہ احادیث ہیں، جن میں وارد ہوا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ ایک بکری پورے گھر والوں کی جانب سے دیا کرتے تھے۔

(۱) چناں چہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ

”كان الرجل في عهد رسول الله ﷺ يضحي بالشاة عنه و عن أهل بيته ، فيأكلون ويطعمون.“

(رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک آدمی اپنے اور اپنے اہل بیت کی جانب سے ایک بکری کی قربانی کرتا تھا، پھر سب اس میں سے کھاتے اور کھلاتے تھے۔)

(الترمذي: أبواب الأضاحي عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البيت، ر: ١٥٠٥ و صححه؛ ابن ماجه: كتاب الأضاحي، باب من ضحى بشاة عن أهله، ر: ٣١٤٧؛ شرح السنة: كتاب الجمعة، باب الاشتراك في الأضحية، ٤/٣٥٧؛ المعجم الكبير للطبراني: باب الخاء، ر: ٣٩٢٠)

(۲) اسی طرح متعدد احادیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دو مینڈھے قربان کیے، ایک کو قربان کر کے فرمایا کہ ”بسم الله اللهم هذا عن محمد و أهل بيته“ اور دوسرا قربان کر کے کہا کہ ”اے اللہ، یہ میری امت کے ان لوگوں کی جانب سے ہے، جنھوں

نے قربانی نہیں کی۔"

(أبو داود: كتاب الضحايا، باب في الشاة يضحي بها عن جماعة، ر: ٢٨١٠؛ الترمذي: أبواب الأضاحي عن رسول الله ﷺ، باب، ر: ١٥٢١؛ مسند أحمد، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، ر: ١١٠٥١)

(۳) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مینڈھے لانے کا حکم دیا اور وہ لایا گیا، آپ نے اس کو قربان کیا اور کہا کہ اے اللہ! یہ محمد اور آل محمد اور امت محمد کی جانب سے قبول فرما۔

(مسلم: كتاب الأضاحي، باب استحباب الضحية وذبحها مباشرة، ر: ١٩٦٧؛ أبو داود: كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، ر: ٢٧٩٢؛ أحمد: مسند الصديقة عائشة بنت الصديق، ر: ٢٤٤٩١؛ السنن الكبرىٰ للبيهقي: كتاب الضحايا، باب الرجل يضحي عن نفسه وعن أهل بيته، ر: ١٩٠٤٦)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دو مینڈھے ذبح کیے اور یہ کہا کہ

"أللهم منک ولک عن محمد، وأمته." (اے اللہ! یہ محمد اور اس کی امت کی جانب سے ہے۔)

(أبو داود: كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، ر: ٢٧٩٥؛ مسند أحمد: مسند جابر بن عبد الله رضي الله عنه، ر: ١٥٠٢٢)

(۵) حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ

"أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوء ين، فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد و شهد له بالبلاغ، وذبح الآخر عن محمد و عن آل محمد ﷺ."

(رسول اللہ ﷺ جب قربانی کرنے کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے، موٹے، سینگ والے، سفید و کالے رنگ والے اور خصی مینڈھے خریدتے تھے۔ ان میں سے ایک کو اپنی امت میں سے ان لوگوں کی جانب سے قربان فرماتے جو اللہ کے ایک ہونے کی اور رسول اللہ ﷺ کے رسالت کی گواہی دیتے ہیں، اور دوسرے کو محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ کی جانب سے قربان فرماتے۔)

(ابن ماجه: كتاب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله ﷺ، ر: ٣١٢٢؛ مسند أحمد: ر: ٢٥٨٨٦)

(۶) حضرت ابو رافع کہتے ہیں کہ

"أن رسول الله ﷺ كان إذا ضحى اشترى كبشين سمينين أملحين أقرنين، فإذا خطب وصلى ذبح أحد الكبشين بنفسه بالمدية، ثم يقول: "أللهم هذا عن أمتي جميعاً، من شهد لک بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ." ثم أتي بالآخر فذبحه، وقال: "هذا عن محمد و آل محمد." الخ."

(رسول اللہ ﷺ جب قربانی کرنے کا ارادہ فرماتے تو دو موٹے، سینگ والے، سفید و کالے رنگ والے اور خصی مینڈھے خریدتے تھے، پھر جب خطبہ دے دیتے اور عید کی نماز پڑھ لیتے، تو ایک جانور کو بہ ذاتِ خود چھری سے ذبح فرماتے، پھر فرماتے: "اے اللہ! یہ میری پوری امت میں سے ان لوگوں کی جانب سے ہے، جو آپ کی توحید کی اور میری رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔" پھر دوسرے جانور کو لایا

جاتا، پس آپ ﷺ اسے ذبح کرتے اور فرماتے: ''یہ محمد اور آلِ محمد کی جانب سے ہے۔'')

(المستدرک للحاکم: کتاب التفسیر، تفسیر سورة الحج، ر: ۳۴۷۸؛ شرح معاني الآثار للطحاوي: کتاب الصید والذبائح والأضاحي، باب الشاة عن کم تجزئ أن یضحي بها، ر: ۶۲۲۵؛ المعجم الکبیر للطبراني: باب الألف، ر: ۹۲۰؛ السنن الکبریٰ للبیهقي: کتاب الضحایا، ر: ۱۹۰۰۹؛ شعب الإیمان: باب في القرابین والإبانة عن معناها وغرضها وجملته الهدي والأضحیة والعقیقة، ر: ۶۹۴۱)

یہ اور ان جیسے متعدد احادیث کی وجہ سے ان ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ ایک بکری گھر کے تمام لوگوں کی جانب سے کافی ہے۔

مذکورہ احادیث میں ثواب میں شرکت مراد ہے

لیکن ان احادیث میں ایک بحث تو یہ ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل اپنے گھر والوں وغیرہ کی جانب سے بہ طور ادائے حکم کے تھا کہ ان کے اوپر سے وہ ساقط ہو جائے یا محض ثواب میں شریک کرنے کے بہ طور تھا؟ اس میں علمائے حنفیہ وغیرہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ دوسرے لوگوں کی جانب سے سنت یا واجب ادا کرنے کے لیے نہیں، بل کہ بہ طور اشتراک فی الثواب کے تھا۔

دیکھئے علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ

''وقد حمل جماعة الحدیث المذکور علی الاشتراک فی الثواب. وممن ذکر هذا صاحب العُدَّةِ و الشیخ إبراهیم المروروذي.'' (المجموع: کتاب الحج، باب الأضحیة: ۳۸۴/۸)

علامہ ابن العطار الشافعیؒ ''العدۃ فی شرح العمدۃ'' میں لکھتے ہیں کہ

''ویستحب للإنسان أن یضحی عن نفسه و عن أهل بیته وإشراکهم معه في الثواب.''

(العدة لابن العطار: کتاب الأطعمة، باب الأضاحي: ۱۶۳۸/۳)

علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ

''أنه ﷺ إنما فعل ذلک لأجل الثواب؛ وهو أنه جعل ثواب تضحیته بشاة واحدة لأمته لا للإجزاء وسقوط التعبد عنهم، ولا یجوز بعیر واحد ولا بقرة واحدة عن أکثر من سبعة، ویجوز ذلک عن سبعة أو أقل من ذلک.''

(بدائع الصنائع: کتاب التضحیة، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحیة: ۷۰/۵)

اسی طرح ہم نے اوپر ''المرداوی'' کی الانصاف کے حوالے سے بھی نقل کیا تھا کہ امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق یہاں ثواب میں شریک کرنا مراد ہے، نہ یہ کہ ان کی جانب سے اس کی ادائیگی کرنا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ان احادیث کا ایک مطلب یہ لیا گیا ہے کہ مراد اس سے اپنی جانب سے قربانی کر کے اس کا ثواب دوسروں کو پہنچانا ہے، یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی بکری کی قربانی پورے اہل خانہ کی جانب سے کی جائے۔

مذکورہ تشریح کئی وجوہ سے راجح ہے

اور یہ مطلب کئی وجوہ سے انسب وراجح معلوم ہوتا ہے:

ایک تو اس وجہ سے حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ کا قربانی کرکے یہ کہنا کہ ''اے اللہ یہ محمد اور ان کی امت کی جانب سے ہے'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب کی جانب سے قربانی نہیں کی گئی تھی، بل کہ ان سب کو ثواب میں شریک کیا گیا تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ جو لوگ ابھی موجود ہی نہیں ان کی جانب سے قربانی کرنے کا کوئی معنی نہیں۔ عمل اس کی جانب سے ہوتا ہے جو موجود ہے، جو ابھی وجود ہی میں نہیں آیا، اس کی جانب سے عمل نہیں ہوا کرتا۔ یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا ساری امت کی جانب سے قربانی کرنا ثواب میں شریک کرنے کے معنے میں ہے۔

دوسرے اس وجہ سے کہ جیسا کہ اوپر گزرا نبی کریم ﷺ نے بڑے جانور میں سات ہی کی شرکت کو روا رکھا ہے، اگر بڑے جانور میں سات ہی تک شریک ہو سکتے، ہیں تو ایک بکری میں سارا خاندان کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ بڑے میں بھی سارے گھر والے شریک ہو سکتے ہیں خواہ ان کی تعداد سو تک بھی ہو، تو اللہ کے رسول ﷺ نے سات کی تخصیص کیوں کی؟ معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب بڑے جانور میں سات ہی کی گنجائش دی ہے، تو چھوٹے جانور میں تو اس سے زیادہ کی قربانی کو ماننا اس تخصیص کو باطل کر دیتا ہے۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اہل خانہ کو یا امت کو جو شریک قربانی کیا تھا، وہ دراصل ثواب میں شریک کیا تھا۔

اہلِ بیت یا خاندان سے کیا مراد ہے؟

دوسری بحث یہاں یہ ہے کہ اگر ایک قربانی سارے گھر والوں کی جانب سے کافی ہے، تو اہل بیت یا اہل خانہ سے مراد کون لوگ ہیں؟ بعض نے کہا کہ مراد وہ لوگ ہیں، جن کا نفقہ آدمی پر واجب ہوتا ہے، جیسے بیوی، بچے وغیرہ؛ لہٰذا جن کا نفقہ کسی کے ذمے ہے، تو وہ اگر اپنی قربانی کرتے ہوئے ان کو شریک کر لے تو جائز ہے۔

''حاشیۃ الجمل علی منہج الطلاب'' میں اور ''حاشیۃ البجیرمی'' میں ہے کہ

''التضحية سنة مؤكدةً في حقنا على الكفاية إن تعدد أهل البيت وإلا فسنة عين.''

(حاشية الجمل على منهج الطلاب: كتاب الأضحية: ٥/ ٢٥١؛ حاشية البجيرمي على شرح المنهج: كتاب الأضحية: ٤/ ٢٩٤)

اور انھی کتب میں اہل البیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

''والمراد بأهل البيت من تلزمه نفقته شرعاً. وقوله: إن تعدد أهل البيت أي بأن كانت نفقتهم لازمةً لشخص واحد ولو تعددت البيوت.''

(حاشية الجمل: كتاب الأضحية: ٥/ ٢٥١؛ حاشية البجيرمي: كتاب الأضحية: ٤/ ٢٩٥)

نیز ''حاشیۃ البجیرمی'' میں لکھا ہے کہ

''ثم قيل: المراد بأهل البيت من تلزمه مؤنتهم كالزوجة. وقيل: من ينفق عليهم ولو تبرعاً. وقيل: هم

الأقارب المجتمعون ببيت واحد عرفاً، وإن استقل كل منهم نفقته، والذي دل عليه كلام أصحابنا في مبحث الوصايا هو الأول فهو الراجح.“

(حاشية الجمل: كتاب الأضحية: ۵/ ۲۵۱)

”تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب“ میں ”اہل البیت“ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

”و هم من اجتمعوا فی العيشة والعشرة ، وقيل: من تلزم الفاعل نفقتهم.“

(تحفة الحبيب: كتاب الصيد والذبائح، فصل في الأضحية: ۴/ ۳۳۰)

”دلیل المحتاج“ میں ہے کہ

”والشاة تجزئ عن واحد وتحصل السنة بواحد عن أهل البيت وأن الثواب لهم كالمضحي، فالتضحية سنة كفاية لكل أهل بيت وسنة عين لمن ليس له أهل بيت تلزم المضحى نفقتهم.“

(دليل المحتاج: ۴/ ۸۲)

اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کسی گھر میں کئی لوگ رہتے ہیں، جن کا ایک بڑا ذمے دار ہے جو ان سب کا نفقہ اٹھاتا ہے، تو وہ اگر اپنی قربانی میں ان سب کو شریک کرلے تو درست ہوگا؛ کیوں کہ وہ لوگ اس کے ماتحت رہتے ہوئے گزارا کرتے ہیں اور خود ان پر قربانی نہیں ہے، لہٰذا ان کو شریک ثواب کرلیا جائے، تو اس کی گنجائش ہونے میں کیا شبہ ہے؟

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اہل بیت کے لیے ایک بکری کا کافی ہونا اس معنی کر ہے کہ وہ اہل بیت خود محتاج و ماتحت ہیں، ان پر قربانی واجب وسنت نہیں ہے، لہٰذا اس گھر کا ذمے دار اپنی بکری میں ان کو شامل کرلے تو یہ جائز ہے۔ اس کا یہ معنی لینا کہ گھر کے افراد پر قربانی واجب ہونے کے باوجود ایک بکری میں سب کو شریک کرنا جائز ہے، غالباً یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اسی لیے امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی کتاب ”تہذیب الآثار“ میں فرمایا، جس کا خلاصہ بہ قول علامہ ابن الترکمانیؒ یہ ہے کہ

”ظن بعض أهل العبارة أن ذلک كان بإشراكه لهم في ملک أضحيته ، فزعم أن للجماعة أن يشتركوا في الشاة ويجزيهم عن التضحية، ولو كان كذلک لم يحتج أحد من هذه الأمة إلى التضحية، ولما كان لقوله عليه السلام:” من وجد سعة فلم يضح “ وجهٌ ، وكيف يقول ذلک ، وقد ضحى هو عنهم و ذبحه أفضل.“

(بعض اہل تعبیر نے یہ گمان کرلیا کہ یہ (نبی ﷺ کا فعل) سب لوگوں کو قربانی میں ملکیت میں شریک کرنے کے طور پر تھا، لہٰذا انھوں نے گمان کرلیا کہ بکری میں ایک جماعت شریک ہوسکتی ہے اور وہ سب کی جانب سے قربانی کے لیے کافی ہے۔ اگر بات ایسی ہوتی تو اس امت میں سے کسی کو بھی قربانی کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور نبی کریم ﷺ کے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہو کہ آپ نے فرمایا کہ جو وسعت کے باجود قربانی نہیں

کیا، وہ ہمارے عیدگاہ کو نہ آئے، بھلا آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے جب کہ آپ نے پوری امت کی جانب سے قربانی کردی ہے اور آپ کا ذبح کرنا سب سے افضل ہے؟)

(الجوهر النقي على سنن البيهقي: ۹/ ۲۶۵)

مطلب یہ ہے کہ اگر ایک بکری میں بہت سے لوگوں کی شرکت جائز ہوتی تو پھر کسی کو قربانی کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی، کیوں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے پوری امت کی جانب سے ادا کردی ہے، اور پھر آپ نے اس ارشاد کا کوئی معنی نہ ہوتا کہ وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والا عیدگاہ نہ آئے، کیوں کہ آپ نے سب کی ادا کردی ہے۔

ایک قابلِ غور نکتہ

پھر یہاں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک ایک گھر کی جانب سے ایک بکری کافی سمجھی جاتی ہے، یہ وہ حضرات ہیں جن کے نزدیک خود قربانی واجب ہی نہیں ہے، بل کہ سنت ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔ لہٰذا اگر ان کے نزدیک قربانی ایک نے کی تو یہ خود بھی اس پر لازم نہ تھی، بل کہ کرنے سے ثواب اور نہ کرنے پر کوئی عتاب نہیں۔ لہٰذا وہ حضرات اگر اس کے قائل ہوں کہ ایک شخص قربانی کرے اور سارے اہل خانہ کو اس میں شریک کرلے، تو ظاہر ہے کہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن جو حضرات قربانی کو واجب قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک ایک کی قربانی سب کی جانب سے کیسے درست ہوسکتی ہے؟ اور عدم وجوب کے قائل ائمہ کے مسلک کو بیان کرکے دوسروں پر حجت قائم کرنے کی کوشش کرنا ایک لغو عمل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ اور نصوص پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی عاقل، بالغ، مال دار پر واجب ہے اور وہ واجب اسی وقت سر سے اترے گا جب آدمی اس کو انجام دے گا، ورنہ ادا نہ ہوگا۔ لہٰذا ہر ایسے شخص پر جب پر قربانی واجب ہے، تو اپنی قربانی دینا چاہیے۔ البتہ اپنے ماتحت لوگوں کو اس کے ثواب میں شریک کرلینے میں کوئی حرج نہیں اور جب احادیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا یا صحابہ کا یہ عمل وارد ہوا ہے وہ اسی پر محمول ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد شعیب اللہ خان

(مرقومہ: ۷/ جمادی الاولی/ ۱۴۳۸)